سرسیّد کا سفرنامہ پنجاب

ڈاکٹر طارق ہاشمی [1]، ڈاکٹر فرحت جبیں ورک**

Abstract:

"Sir Syed traveled across the country for the promotion of education and held meetings and enlightened the minds of the people of India. Due to your tireless efforts, schools and colleges have been opened across the country which is exemplary not only in their time but also today in the promotion of knowledge.Among the travels that Sir Syed made for the promotion of education, the journey to Punjab is of special importance in terms of success and acceptance.Sir Syed Ahmad Khan traveled to Punjab four times but the record of the journey which was recorded in book form is the second journey which starts from 5th January. This travelogue was compiled by Molvi Iqbal Ali who accompanied in this journey and it came to light after being published by Aligarh Institute Press.

Sir Syed promoted unity and solidarity and provided rational and social arguments for it. At a time when an independent state has emerged in the light of his mental training, but the unity and solidarity must be visible in the behaviors of the nation."

Key words: Sir Syed, Travelogue, Education, India, Hindu, Muslim.

کلیدی الفاظ: سرسید ، سفرنامہ ، تعلیم ، ہندوستان ، ہندو ، مسلم

اس سے قبل کہ انیسویں صدی کے عظیم ذہن اور رہنمائے قوم حضرت سیّد احمدخاں کے سفرنامہ پنجاب اور اس سفر کے دوران میں آپ کی کاوشوں کا ذکر کیا جائے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرتِ غالب کی نگاہِ دور بیں کی تحسین کی جائے جنھوں نے ''تصحیح آئینِ اکبری'' کی تقریظ کی صورت میں سرسیّد کو ماضی کے بجائے مستقبل کی طرف دھیان دینے کا مشورہ دیتے ہوئے ''آئینِ نو'' کی طرف توجہ دلائی اور آپ نے باشندگانِ ہند کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے فکرو عمل کے کئی ایک چراغ جلائے۔ نیز اُن کی روشنی کی سلامتی اور بڑھوتری کے لیے متعدد سفر کیے۔ جناب غالب نے فرمایا تھا:

کاروبارِ مردمِ ہشیاربیں
در ہر آئیں، صد نو آئیں کاربیں
پیشِ ایں آئیں کہ دارد روزگار
گشتہ آئینِ دگر تقویم یار
مردہ پرور دن مبارک کارنیست
خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست(۱)

سر سیّد نے تعلیم کے فروغ کے لیے ملک کے طول و عرض میں سفر کر کے جلسے کیے اور باشندگانِ ہند کے اذہان کو نئی روشنی سے منور کیا۔ آپ کی مذکورہ اَن تھک کاوشوں کے باعث ملک کے طول و عرض میں سکول اور کالجز کھلے جو نہ صرف اپنے زمانے بلکہ آج بھی ترویجِ علم میں

---

[1]ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی ، فیصل آباد
** صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی راولپنڈی

اپنی مثال آپ ہیں۔

سرسیّد نے فروغِ تعلیم کے لیے جو اسفار کیے اُن میں پنجاب کے سفر کامیابی اور پذیرائی کے لحاظ سے بطورِ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ بقول مولانا الطاف حسین حالیؔ:

''پنجاب کے مسلمان سر سیّد کی منادی پر ایسے دوڑے جیسے پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ مدرستہ العلوم کو مالی مدد پہنچائی بلکہ سچ یہ ہے کہ سر سیّد ا وراُن کے کاموں کی کسی صوبے نے عام طور پر ایسی قدر نہیں کی جیسی پنجاب والوں نے کی۔ کالج میں انھوں نے ہر ایک صوبے سے زیادہ لڑکے تعلیم کے لیے بھیجے۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ انھوں نے زیادہ دلچسپی ظاہر کی۔ سر سیّد کی ہر قسم کی اصلاحیں انھوں نے سب سے زیادہ قبول کیں اور قول کی بھلائی کے کاموں میں سب سے بڑھ کر انھوں نے سرسیّد کی تقلید اختیار کی۔ یہاں تک کہ ان کو زندہ دلانِ پنجاب کے الفاظ سے تعبیر کیا۔''(۲)

سرسیّد کے سفرنامۂ پنجاب کا مطالعہ کیا جائے تو استقبال اور والہیت کے حوالے سے حالی کے بیان کی جہاں تصدیق ہوتی ہے۔ وہاں اس اختلاف کی صورت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ سرسیّد کی منادی پر محض پنجاب کے مسلمان نہیں دوڑے آئے بلکہ یہ کشش بلاتفریقِ مذہب و اعتقاد تھی۔ اس رودادِ سفر کی روشنی میں اہلِ پنجاب چاہے کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتے تھے وہ سرسیّد کو اپنا رہنما تسلیم کرتے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف خود سرسیّد بھی اپنے آپ کو رہنمائے اسلامیانِ ہند کے بجائے ہندوستان کے ہر طبقے پر برابر توجہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔

سرسیّد احمد خاں نے پنجاب کا سفر چار مرتبہ بالترتیب ۱۸۷۳ء، ۱۸۸۳ء، ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۳ء میں کیا لیکن جس سفر کی روداد کتابی صورت میں قلمبند ہو سکی، وہ دوسرا سفر ہے جس کا آغاز جنوری ۱۸۸۳ء سے ہوتا ہے۔ اس سفر میں مولوی اقبال علی ایسے مستعدد شخص کی رفاقت کے باعث یہ سفرنامہ مرتب ہو ااور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے ۱۸۸۳ء میں اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آیا۔ بقول حمید احمد خان:

''یہ محض ایک سفر نامہ نہیں ہے بلکہ ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد مسلمانانِ برصغیر کی جہد للبقا کی داستان کا ایک اہم باب ہے۔''(۳)

۲۳ جنوری ۱۸۸۳ء کو سرسیّد لدھیانہ پہنچے، جہاں اعلیٰ افسران، انجمن اسلامیہ، رفاہِ عام اور دیگر قائدین شہر نے آپ کا بھرپور استقبال کیا۔ مولوی اقبال علی کے تخمینے کے مطابق ریلوے سٹیشن پر آٹھ سو آدمیوں سے زائد افراد موجود تھے۔

لدھیانہ میں جناب سرسیّد نے اپنے خطاب میں اہم ترین سماجی تقاضے یعنی اتحاد و اتفاق کو ابھارا ۔اُن کے نزدیک اہلِ ہند کے مابین بھائیوں کا سا رشتہ ہے ، مگر اُن کا ایک دوسرے سے سلوک برادرانِ یوسف کی مثال ہے۔ سرسیّد نے اتحادو اتفاق کے لیے جہاں مذہبی تعلیمات پرروشنی ڈالی وہیں سماجیات کے تشکیلی عناصر کی اہمیت بھی بیان کی اور اہلِ اسلام کے مابین مذہب کی بنیادوں کے ساتھ ساتھ تمدن اور مشترک جغرافیائی تہذیب کے حوالے سے بھی باہمی رشتہ و یگانگت کا ذکر کیا۔ سر سیّد کے بقول:

''ہم کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں۔ گو وہ ہمارے ساتھ اُس کلمے میں، جس نے ہم کو مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنایا ہے۔ شریک نہیں مگر بہت سے تمدنی اور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔''(۴)

سرسیّد احمد خاں نے اپنے سفر پنجاب میں جہاں کہیں بھی تقریر کی وہاں قومی اتحاد اور یگانگت کو بنیادی اہمیت دی۔ ان کے نزدیک قومی ارتقا کا تسلسل اور تہذیبی جمال اسی صورت میں برقرار رکھا جا سکتا ہے کہ سرزمین ہند کے باشندے بلاتفریق رنگ و نسل اور بلاتمیز مذہب و عقیدہ، یگانگت کے رشتے میں جڑے رہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پٹنہ میں سرسیّد کے ایک خطاب کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ جس کے مطابق وہ ہندوستان کے ان دو بڑے مذاہب کے پیروکاروں کو دلہن کی دو آنکھیں خیال کرتے

تھے۔ انھوں نے فرمایا:

''اے میرے دوستو! میں نے بارہا کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان ایک دلہن کی مانند ہے جس کی خوبصورت اور رسیلی دو آنکھیں ہندو مسلمان ہیں۔ اگر وہ دونوں آپس میں نفاق رکھیں گے تو وہ پیاری دلہن بھینگی ہو جائے گی اور اگر ایک دوسرے کو برباد کر دیں گے تو وہ کانی ہو جائے گی۔ بس اے ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور مسلمانو! اب تم کو اختیار ہے کہ چاہو اس دلہن کو بھینگا بناؤ، چاہے کانا۔''(۵)

سرسیّد احمد خاں کے جذباتِ یگانت کو مثبت انداز میں محسوس بھی کیا گیا اور ہر فرقے اور عقیدے کے افراد کی جانب سے قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا گیا اور جس طرح آپ کی طرف سے باہمی محبت کا جذبہ ابھارا گیا، خود اُن کو بھی محض رہنمائے مسلمانانِ ہند سمجھنے کے بجائے ہر فرقے کا مددگار، حامی قوم اور معاونِ ملک خیال کیا گیا۔ نیز اس کا احساس بزرگوں اور نوجوانوں ہی کو نہیں بلکہ ہونہاروں کو بھی تھا۔ جالندھر میں سر سیّد کے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں جماعت پنجاب کے ایک طالب علم ''بھگت رام'' نے استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے آپ کو یوں کلماتِ تحسین پیش کیے:

''جناب سیّد صاحب صرف ایک قوم یا ایک خاص فرقے کے ہی مددگار نہیں، بلکہ وہ بابو کیشب چندر اور سری سوامی دیانند کے پیروں کو اُسی نظر عنایت سے دیکھتے ہیں کیوں کہ وہ خاص مسلمانوں ہی کے معاون نہیں ہیں بلکہ وہ کل ملک کے مددگار، کل ہندوستان کے جاں نثار ہیں۔ آج کا دن جالندھر کے واسطے خصوصاً ہم طلبا کے لیے مبارک دن ہے جس میں ہم کو ایک حامیِ قوم اور معاونِ ملک بزرگ کی زیارت ہوئی۔''(۶)

سرسیّد احمد خاں نے ہندو مسلم بھائی چارے کے لیے اپنی تقریروں میں مضبوط مذہبی اور سماجی دلائل دیے۔ خصوصاً بطور ایک وسیع القلب مسلمان کے اسلام کے بعض رہنما اصولوں کو نہایت روشن خیالی کے ساتھ پیش کیا اور لوگوں کو اُس تنگ نظری سے باہر لانے کی کوشش کی جو سماج میں فتنہ پروری کا باعث بنتی ہے۔ سرسیّد کے پنجاب میں دیے گئے خطبات کا بنیادی نکتہ مذہبی منافرت کا خاتمہ تھا اور وہ اپنے مخاطبین کو اس نکتے پر لانے کے لیے نہایت خیال افروز اصول پیش کیے۔ مدرستہ المسلمین امرت سر میں منعقدہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے مذہب اسلام کی سماجیات کی شرح یوں کی:

''میرا خیال یہ ہے کہ مذہب اسلام کا سب سے بڑا اصول خدا کو ایک جاننا اور انسانوں کو بھائی سمجھنا ہے۔ آپ خیال کیجیے کہ انسان کی زندگی دو حصوں میں بسر ہوتی ہے۔ ایک مذہب کے متعلق دوسرا دینوی امور کے متعلق ۔ مذہب کی رو سے نہ میں کسی ہندو کی چتا پر جلوں گا، نہ کوئی ہندو مری قبر میں دفن ہو گا۔ مگر جو مخلوق کہ ایسی پیدا ہوئی ہے جیسے کہ ہم، جیسی صورت خدا نے ہماری بنائی ہے ویسی ہی اُن کی بھی بنائی ہے، جس طرح کہ ہم آنکھ، ناک، کان رکھتے ہیں، اُسی طرح وہ بھی آنکھ، کان، ناک رکھتے ہیں۔ پس جو مخلوق اس صورت کی ہو، اُن کے آپس میں بھائی ہونے میں کچھ شک نہیں اور یہی سبب ہے کہ ایک کا دوسرے سے دنیوی امور میں بہت کچھ تعلق ہے۔ بس ان سب کے ساتھ اس طرح ملنا لازم ہے جس طرح اپنے بھائی سے اور اُن کو ایسا پیار کرنا انسانیت کا مقتضیٰ ہے جیسا اپنے بیٹے کو۔''(۷)

تعلیم کے فروغ میں سر سیّد کے قائم مدرستہ العلوم کی خدمات تاریخی ہیں۔ لاہور کے قیام کے دوران میں ملاقات کرنے والے وفد کے ایک رکن لالہ سنگم لال نے سر سیّد کو مدرستہ العلوم کے حوالے سے کلماتِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس ادارے کا یہ وصف بہت اطمینان کا باعث ہے کہ اس میں ہر مذہب و ملت کے طالب علم اُس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ امر قابلِ فخر ہے کہ آپ اگرچہ ہندو نہیں ہیں لیکن سب کے لیے ایک عظیم مصلح قوم ہیں اور اپنے ریفارمیشن کے مقصد میں سچے دل سے مصروف ہیں، سر سیّد احمد خاں نے اس تحسین کا جواب بہت متاثر کن انداز میں دیا۔ آپ نے فرمایا:

''آپ نے جو لفظ ہندو استعمال فرمایا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں کیونکہ ہندو میرے رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا

ہے۔ پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان میں رہنے والا ہوں، ہندو نہیں سمجھتے۔ آپ اس بات کو یقینا جانتے ہوں گے کہ ہندوستان کی ترقی کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ اہلِ ہنود اور اہلِ اسلام باہم مل کر کام کریں۔''(۸)

سر سیّد احمد خاں کے خطبات سے مذکورہ بیانات اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور اس اتحاد کو فروغ دینے کے لیے ہمہ وقت کوشاں تھے لیکن یہ امر باعث افسوس ہے کہ سرسیّد کو اپنی ان مساعی کا کوئی حوصلہ افزا نتیجہ سامنے آتا نظر نہیں آیا اور وہ دونوں مذاہب کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کو پُر نہ کر سکے اور اس سے بڑھ کر اُن کے لیے دکھ کا یہ پہلو بھی تھا کہ اس خلیج کو پیدا کرنے کے ذمہ دار جاہل لوگوں کے بجائے تعلیم یافتہ افراد تھے۔ عمر کے آخری حصے میں اُن کی اداسی اور دل گرفتگی کے بعض اسباب ذاتی نوعیت کے بھی تھے لیکن ایک بڑی وجہ یہ اجتماعی دکھ بھی تھا کہ اُن کی زندگی تعلیم اور محبت کے فروغ کے لیے تھی اور انھیں اپنے ان دونوں مقاصد کے لیے حوصلہ شکن نتائج کا سامنا کرنا پڑنا تعلیم کو فرو غ تو ملا لیکن تعلیم کے نتیجے میں وہ جس سطح کی ذہنی تربیت چاہتے تھے اُس کی کوئی حوصلہ افزا صورت سامنے نہ آئی۔

معاصر حالات میں سر سیّد احمد خاں کے خیالات کو دیکھیں تو ایک اور گمبھیر صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ ہندوستان جو کثیر ثقافتی اور کثیر مذہبی ملک ہے۔ سر سیّد نے اتحاد اور یگانگت کو فروغ دیا اور اُس کے لیے عقلی اور سماجی دلائل فراہم کیے۔ ان دلائل کی پیش کش میں انھیں شخصی سطح پر نقصان بھی اٹھاناپڑا۔ فی زمانہ جبکہ اُن کی ذہنی تربیت کی روشنی میں ایک آزاد مملکت معرضِ وجود میں آئی ہے لیکن وہ اتحاد اور یگانگت جو سیّد احمد خاں کے فکرو فلسفے کی بنیاد تھے نظر نہیں آتے۔ کیا یہ ممکن ہو گا کہ جناب سر سیّد کے عقلی و سماجی دلائل اور روشن خیالی کا فلسفہ پھر عام ہو سکے اور ہم ایک ایسے سماج کا حصہ ہوں جس کے افراد کے قلب اور ظرف کو چشمِ حاسد سے تشبیہ نہ دی جا سکے۔

حوالہ جات

١۔ اسد اللہ خاں غالب، **کلیاتِ غالب**(فارسی)،جلد اول، مرتبہ؛ سید مرتضے حسین فاضل لکھنوی، لاہور:مجلسِ ترقی ادب، ۱۹٦۷ ء،ص۳۱۴

٢۔ الطاف حسین حالی، **حیاتِ جاوید**، کانپور: نامی پریس ، ۱۹۰۱ء، ص۳۲۳۔۳۲۲

٣۔ حمید احمد خاں، ابتدائیہ؛**سیّد احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب**، از مولوی سیّد اقبال علی، مرتبہ؛ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۱ء، طبع دوم، ص ط

۴۔ سر سیّد احمد خاں ،**سیّد احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب**، ص ١٦

۵۔ سر سیّد احمد خاں ، پٹنہ میں خطاب ، **تاریخِ ادب اردو** (جلد چہارم)، از ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور :مجلس ترقی ادب ،س ن

٦۔ بھگت رام، **سیّد احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب**، ص ٦٣

۷۔ سر سیّد احمد خاں ، **سیّد احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب**، ص ۹۵

٨۔ سر سیّد احمد خاں ، **سیّد احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب** ، ص۱۹۵